حصہ پنجم

حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم کے مقبرے

This page is blank

اٹھارہواں باب

18

وعدے کی سرزمین

فلسطین جس کو اکثر اوقات ارض مقدس بھی کہا گیا ہے (قرآن مجید ۵:۲۱) عبرانیوں کی وہ سرزمین تھی جو اُن کو وراثت میں ملی تھی۔ اِس سرزمین کا وعدہ حضرت ابراہیمؑ کے ذریعے کیا گیا تھا۔

"تب خداوند نے ابرام کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا۔" (پیدائش ۱۲:۷)

"اور وہاں اُس نے خداوند کیلئے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند سے دُعا کی۔" (پیدائش ۱۲:۸)

ایک عرصے تک یہ خیال کیا جاتا رہا تھا کہ اِس سرزمین پر عبرانیوں کا پیدائشی حق ہے کہ وہ یہاں آباد ہوں اور سکونت اختیار کریں اس لئے اِس سرزمین کو وہ اپنی سرزمین سمجھتے تھے (۲-سلاطین ۱۷:۲۳) کہ یہ اُن کو ورثے میں دی گئی تھی۔ اِس اعتبار سے عبرانی میراث کے لوگ کہلائے۔ (استثناء ۴:۲۰)

اِس سرزمین کی حدود حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ کرتے وقت بتائی گئی تھیں۔

"اور اُسی روز خداوند نے ابرام سے عہد کیا اور فرمایا کہ یہ ملک دریائے مصر سے لے کر اُس بڑے دریا یعنی دریائے فرات تک۔"

(پیدائش ۱۵:۱۸)

"دریائے مصر" سے دریائے نیل مراد نہیں ہے۔ بلکہ وہ ندی مراد ہے جس کی گزرگاہ کو عہد حاضر میں وادیء عریش سے منسوب کیا گیا ہے جو غزہ کے جنوب میں بیس میل کے فاصلے پر سمندر سے جاملتی تھی۔ (ڈمیلو بائبل پر تبصرہ ص۱۲۰)۔ اِس سرزمین کی حدود کو بڑی تفصیل کے ساتھ 'موسیٰ کی چوتھی کتاب' میں بیان کیا گیا ہے (گنتی ۳۴:۱-۱۲) لیکن یہ حدود مثالی ہیں۔ حقیقی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ سرزمین تمام تر عبرانیوں کے قبضے میں نہیں رہی تھی۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ اِس کی مشرقی سرحد مشرق سے بحر غناصرت کے مشرقی کنارے تک پہنچتی تھی اور اردن سے ہوتے ہوئے بحر مردار تک جاتی تھی۔ جس مشرقی کنارے کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل یردن کا بایاں کنارہ تھا۔ دریائے فرات تک اِس سرزمین کی مشرقی حدود تھیں۔ اِسے ایک دوسری تحریر میں بھی مشرقی حدبندی کہا گیا ہے۔ بائبل کی زبان میں "اردن کے اِس طرف" اور "اردن کے پرے" تحریر کنندہ کا اپنا اندازِ نظر مراد ہے جو کنعان کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ اِس اعتبار سے اِن اطراف سے مراد اردن کی مشرقی سمت ہے جو ارضِ مقدس کی مشرقی سرحد ہے۔ (ڈمیلو: بائبل پر تبصرہ ص۱۲۳ پیک: بائبل پر تبصرہ ص۲۲۹)۔

بنی اسرائیل کو مصر سے رہائی دلا کر حضرت موسیٰؑ اُن کو اِس سرزمین میں لائے تاکہ وہ اس کے مالک ہو جائیں اور یہاں آباد ہوں (استثناء ۱:۸)۔ اُنھوں نے بنی اسرائیل کو اِس سرزمین میں داخل ہوجانے کی بڑی کوشش کی مگر وہ راضی نہ ہوئے اور واپس مصر جانے کی خواہش کرتے رہے (گنتی ۱۴:۱-۴)۔ اِس کے نتیجہ میں ان کے لئے حکم نازل ہوا:

> "اِس بُری پشت کے لوگوں میں سے ایک بھی اُس اچھے ملک کو دیکھنے نہ پائے گا جسے اُن کے باپ دادا کو دینے کی قسم میں نے کھائی ہے۔ سوائے یفنہ کے بیٹے کالب کے ...... اور نون کا بیٹا یشوع......" (استثناء ۱:۳۵، ۳۸)

تاہم چھوٹی عمر کے بچے اُن میں شامل نہیں تھے۔ خود حضرت موسیٰؑ کو بھی اِس سرزمین

میں داخل ہونے سے منع کر دیا گیا۔ (استثناء ۱:۳۷) اور اُن کو کہا گیا کہ وہ یشوع کو اپنا جانشین مقرر کریں تا کہ وہ نئی نسل کی اِس سرزمین تک رہنمائی کرے اور اِس میراث کو قبائل میں تقسیم کرے (گنتی ۲۶:۵۳)۔

بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کے باعث حضرت موسیٰ بھی وعدے اور میراث کی اِس سرزمین میں داخل نہ ہو سکے۔ تاہم پھر بھی انہوں نے دُعا کی کہ اُنہیں میراث کی اِس سرزمین میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے۔ (پیدائش ۱:۳۷،۴۵)

> ''لیکن خداوند تمہارے سبب مجھ سے ناراض تھا اور اُس نے میری نہ سُنی بلکہ خداوند نے مجھ سے کہا کہ بس کر۔ اِس مضمون پر مجھ سے پھر کبھی کچھ نہ کہنا۔'' (استثنا ۳:۲۶)

تب حضرت موسیٰ نے پیشگوئی کی:

> ''تو میں آج کے دن تمہارے برخلاف آسمان اور زمین کو گواہ بناتا ہوں کہ تم اُس ملک سے جس پر قبضہ کرنے کو یردن پار جانے پر ہو، جلد بالکل فنا ہو جاؤ گے۔ تم وہاں بہت دن رہنے نہ پاؤ گے بلکہ بالکل نابود کر دیئے جاؤ گے۔ اور خداوند تم کو قوموں میں تتر بتر کرے گا۔ اور جن قوموں کے درمیان خداوند تم کو پہنچائے گا اُن میں تم تھوڑے سے رہ جاؤ گے۔'' (اِستثنا ۴:۲۶،۲۷)

حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کی رہائی کیلئے دُعا کی اور اُنہیں کہا گیا کہ وہ اُن کو اُمید کا پیغام دیں:

> ''جب تو مصیبت میں پڑے گا اور یہ سب باتیں تجھ پر گزریں گی تو آخری دنوں میں تُو خداوند اپنے خدا کی طرف پھرے گا اور اُس کی مانے گا، کیونکہ خداوند تیرا خدا بڑا رحیم خدا ہے۔ وہ تجھ کو نہ چھوڑے گا۔ اور نہ ہلاک کرے گا۔'' (استثنا ۴:۳۰-۳۱)

لیکن حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ وہ یردن کے پار مخالف سمت میں سفر کریں (گنتی

۱۲:۲۷) اور اگر مشرقی سرحد سے مراد دریائے فرات کا مشرقی کنارہ ہے (پیدائش ۱۵:۱۸)
تو یہ سفر دریائے فرات کے پار مشرق کی جانب سفر ہے:

> "پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا تُو عباریم کے اِس پہاڑ پر چڑھ کر اُس ملک کو جو میں نے بنی اسرائیل کو عنایت کیا ہے دیکھ لے، اور جب تو اُسے دیکھ لے گا تو تُو بھی اپنے لوگوں میں اپنے بھائی ہارون کی طرح جا ملے گا۔" (گنتی ۲۷:۱۲-۱۳)

اِس موقعہ پر قدرے توقف کی ضرورت ہے کہ یہ سرزمین صرف بنی اسرائیل کیلئے تھی اور تمام عبرانیوں کیلئے نہیں تھی۔ اِس سرزمین میں داخل ہونے کے بعد حضرت موسیٰؑ کو وعدے کی سرزمین بیت فغور کی وادی سے دکھائی گئی۔ (استثنا ۳:۲۹)

> "تُو کوہِ پسگہ کی چوٹی پر چڑھ جا اور مغرب اور شمال اور جنوب اور مشرق کی طرف نظر دوڑا کر اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کیونکہ تو اِس یردن کے پار نہیں جانے پائے گا۔" (استثنا ۳:۲۷)

فلسطین کی مشرقی سرحد اُس زمانے میں دریائے یردن کو چھوتی تھی۔ یعنی دریائے فرات اِس کی مشرقی سرحد تھا۔ حضرت موسیٰؑ اِس سرزمین میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اِس لئے باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ یردن یا دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر کھڑے تھے۔ اُس کا مشرق کی جانب دیکھنا، فلسطین کو اِس جائزے میں شامل نہیں کرتا۔ اِس اعتبار سے اُسے جو سرزمین دکھائی گئی اُس میں ارضِ مقدس شامل نہ تھی۔

اگر ہم حضرت موسیٰؑ کے خطبات کے رجحان کو ملحوظ رکھیں اور خطبات کے پہلے مجموعے کے نقطہ نظر کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس مجموعے کے مطابق مصر سے تمام عبرانی قوم کی رہائی ہوئی اور اُن کو میراث کی سرزمین کی جانب رہنمائی کی گئی کہ وہ اُس پر قابض ہوں اور بالآخر وہاں سے تتر بتر ہو کر دیگر اقوام کے درمیان پھیل گئیں۔ خطبات کا دوسرا مجموعہ استثنا کی آیت نمبر ۴۴ باب ۴ سے شروع ہوتا ہے۔ اِس میں حضرت موسیٰؑ نے کئی اور مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔ تاہم اِن میں پہلے وعدے کی سرزمین

کا ذکر ہے جو خداوند خدا اُن کو قید بابل سے رہائی کے بعد عنایت کرے گا۔ اس سلسلے میں تین مقامات کا ذکر آیا ہے۔ بیت فغور (استثنا ۴:۴۶)، حسبون (استثنا ۴:۴۶) اور پسگہ (استثنا ۴:۴۹)۔ ایک اور جگہ کوہِ نبو (استثنا ۳۴:۱) کا بھی ذکر آیا ہے۔ جو بیت فغور کے حوالے سے ہے۔ یہ چاروں وعدے کی سرزمین کو بیان کرتے ہیں۔ بائبل کے مبصرین کا اتفاق ہے کہ یہ چاروں جگہیں شناخت نہیں ہوئی ہیں۔ اور اُنہوں نے ناموں کی لغوی صورت کو استعاراتی گردانتے ہوئے اِس مسئلے کو اپنے طور پر حل کر رکھا ہے۔ پیک نے کہا ہے کہ یہ مقامات شناخت نہیں ہوسکے (بائبل پر تبصرہ ص۲۳۵)۔ اِس کا سبب غالبًا یہی ہے کہ وہ اِن جگہوں کو فلسطین میں تلاش کرتے رہے ہیں۔ اُن کیلئے ضروری تھا کہ وہ دس گمشدہ قبائل کی تاریخ کا جائزہ لیتے اور اُن کو وہاں تلاش کرتے جہاں وہ آباد ہوگئے تھے۔ اِن مقامات کا بالترتیب ذکر یوں ہے۔

بیت فغور کا مطلب ہے مکان یا مقام جہاں پہاڑوں کے درمیان تنگ راستہ کھلتا ہے (کروڈن: بائبل کی فہرست مضامین، ص۵۷۸)۔ دریائے جہلم کو قدیم زمانے میں اہلِ کشمیر 'بیہت' کے نام سے پکارتے تھے۔ اور کشمیر کی تحصیل ہنڈوارہ میں باندی پور کا نام 'بیہت پور' تھا۔ یہ مقام تنگ راستے کے کھلنے کی نسبت سے مختلف معانی دیتا ہے۔ اِس مقام سے وادیء کشمیر کشادہ ہوتی ہے اور دریائے جہلم بھی ایک تنگ پہاڑی راستے سے جھیل وُلر میں جا ملتا ہے۔ بیت فغور اِس اعتبار سے بیہت پور (باندی پور) ہی کا دوسرا نام ہے۔

حسبون کو چشموں کے حوالے سے بائبل میں بیان کیا گیا ہے۔ تریستران کا یقین ہے کہ یہ چشمے اور ندیاں وادی میں ہیں۔ بیہت پور (باندی پور) کے جنوب مغرب میں بارہ میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں حسبہ ہے جس کے چشمے مچھلیوں کیلئے مشہور ہیں۔ یہ جگہ اُس مقام کے قریب ہے جسے (اَوٹھ وٹو) 'آٹھ راستے' کہا جاتا ہے۔ اور اِس کا اصل نام ''مقام موسیٰؑ'' ہے۔

پسگہ ڈمیلو کے نزدیک عین ممکن ہے اُس سلسلہ کوہ کیلئے مستعمل ہوا ہے جسے استثنا

۴۹:۳۲ میں عباریم کہا گیا ہے (بائبل پر تبصرہ ص۱۱۵)۔ مذہبی امور اور عقاید میں ممکنات کو بہت دخل ہوا ہے۔ حالانکہ پسگہ کشمیر میں واقع ہے جو شبہ سے تین میل کے فاصلے پر شمال مشرق میں ہے۔

کوہِ نبو کوہ عباریم کی واحد چوٹی ہے اور ڈمیلو کے مطابق کوہ نبو کوہ عباریم ہی کا دوسرا نام ہے (ایضاً)۔ یہ ایک بلند اور ارفع مقام ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کی وفات ہوئی (استثنا ۳۴:۵) اور وہ وہیں دفن ہوئے۔ یہ مقام بیت فغور کے مقابل ہے۔ اور اُس کی وفات پر بنی اسرائیل تیس دن روتے رہے۔ اُن میں عبرانی قوم شامل نہ تھی (استثنا ۳۴:۶-۸)۔بل نبو، بیہت پور (باندی پور) کے شمال مغرب میں ایک دوسرے سلسلہء کوہ کی چوٹی ہے جو سات آٹھ میل کے فاصلے پر ہے (میجر جنرل ڈی جے ایف نیوال: ہندوستان کا سطح مرتفع ص۸۷)۔کوہِ نبو سے بیہت پور (بیت فغور) نظر آتا ہے اور ساری وادیٔ کشمیر دکھائی دیتی ہے۔اِس چوٹی پر ایک مرقد ہے جسے مرقد موسیٰ کہا جاتا ہے۔کوہِ عباریم کشمیر میں پسگہ کے نام سے معروف ہے۔

تاہم ایسی کیا بات ہے کہ کشمیر میں واقع یہ چاروں جگہیں جغرافیائی اعتبار سے اُس مقام سے صرف چند میل دور ہیں۔ جہاں حضرت موسیٰؑ کا مدفن ہے۔ اِن جگہوں کے نام بالکل وہی ہیں جن کا ذکر بائبل میں ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کی تدفین ہوئی تھی۔ کیا یہ محض اتفاق ہے؟ تاہم ایسی دوسری مشترک خصوصیات بھی ہیں جن کا مزید ذکر حضرت موسیٰؑ کے مدفن کے ذکر کے سلسلہ میں آئے گا۔ اِن خصائص سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ کشمیر ہی وعدے کی سرزمین ہے جس کا خداوند نے حضرت موسیٰؑ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُسے بنی اسرائیل کو عنایت کرے گا۔

تاہم بنی اسرائیل کا عجیب مقدر ٹھہرا کہ وہ لکڑی اور پتھر کے معبودوں کی پرستش کریں جن کی نہ تو عبرانیوں نے حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں اور نہ ہی اُن کے باپ دادا نے کبھی پوجا کی تھی۔ یہ پیشگوئی صرف کشمیر میں پوری ہوئی۔ کشمیر میں کشمیری پنڈت ہی لکڑی اور پتھر کے معبودوں کی پوجا کرتے ہیں۔

اِس بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ جس سرزمین کا حضرت موسیٰؑ کے ذریعے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا گیا تھا وہ یقیناً ارضِ مقدس کے علاوہ کوئی دوسری سرزمین تھی۔

اِس ضمن میں قابلِ غور ہے کہ فلسطین کی سرزمین صرف بنی اسرائیل کو عنایت نہیں ہوئی تھی کیونکہ اِس سرزمین کو میراث کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کو بھی دیا گیا تھا۔ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد کو بھی یہ سرزمین دی گئی تھی۔ یعنی یہ بارہ قبائل کی میراث تھی۔ دوسرے یہ کہ حضرت موسیٰؑ کے پیروکار جو مصر سے اُن کے ساتھ آئے تھے۔ اُن کی نسل کے کچھ قبائل ایسے تھے جو فلسطین کے آبائی باشندے تھے۔ اور عبرانی قوم کے بیشتر افراد و قبائل اِس سرزمین میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ تاہم وہ بھی اچھی زمینوں پر قابض ہو چکے تھے۔ تیسرے یہ کہ بنی اسرائیل جن کو اس سرزمین سے نکال دیا گیا تھا۔ وہ قیدِ بابل سے رہائی کے بعد اس سرزمین کو واپس نہیں لوٹے تھے۔ اس لحاظ سے اُن کے ساتھ وعدہ کسی دوسری سرزمین کا تھا جسے نہ تو وہ دیکھ پائے تھے اور نہ کبھی اُس پر قابض رہے تھے۔ تاہم اس سلسلے میں قیاس آرائی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ خداوند نے خود اُس کے بارے میں کافی کچھ بتا دیا ہے۔ اُس کے خدوخال بتائے ہیں۔ جن کی مدد سے اُس سرزمین کو شناخت کیا جاسکتا ہے۔

وعدے کی یہ سرزمین ''ارضی بہشت'' ہوگی (استثنا ۱۱:۲۱) اور طلوع خورشید کی جانب ہوگی (استثنا ۴:۴۱) اور

''وہ ملک پہاڑوں اور وادیوں کا ملک ہے اور بارش کے پانی سے سیراب ہوا کرتا ہے۔'' (استثنا ۱۱-۱۱)

اِس ملک میں عین وقت پر ''پہلا اور پچھلا مینہ'' برستا ہے۔ اس سرزمین میں یردن پار مشرق کی طرف میدان کے دریا تک جو پسگہ کے ڈھال کے نیچے بہتا ہے وہاں کا سارا میدان شامل ہے۔ (استثنا ۱۱:۱۴ و ۴:۴۹)

فلسطین ایسی کیفیت اور خصوصیات کے مطابق نہیں ہے۔ ڈاکٹر جی ڈبلیو جی ماسٹرمین فلسطین کے طبعی خصائص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"(اِس سرزمین کی) طبعی خصوصیت ہر جگہ ایک جیسی ہے۔ موسم سرما کی مختصر بارش کے بعد خشک گرمی کا موسم آتا ہے جب پانچ چھ ماہ کوئی بارش نہیں ہوتی۔ گرمی کی تمازت کے باعث موسم بہار کا سبزہ بھی مرجھا جاتا ہے۔ میلوں تک گرمی کے آخری دنوں میں اِس سرزمین میں صرف خار دار جھاڑیاں اُگتی ہیں۔ عمارتی لکڑی کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی۔ چشمے چھوٹے اور صرف کہیں کہیں دکھائی دیتے ہیں۔ جو بہت جلد خشک ہوجاتے ہیں۔ خشک اور جھلسا دینے والی جنوب مشرقی باد سموم (Sirocco) جو صحراؤں سے آتی ہے۔ موسم بہار اور موسم خزاں کے خوشگوار موسم کو برباد کر دیتی ہے۔" (ڈاکٹر ای ڈبلیو جی ماسٹرمین: ارضِ مقدس ص ص ۷-۱۲)

اِس تفصیل کے برعکس پیک بائبل کے دیئے ہوئے ارضِ مقدس کے کوائف کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ فلسطین کیلئے بارش کے پانی کی بے حد ضرورت تھی۔ تاہم کھیتوں کی سیرابی کیلئے قدیم فلسطین اور قدیم مصر میں کنوؤں کا استعمال رائج تھا (استثنا ۱۱:۱۰،۱۱)۔ پانی کی سطح کو بلند رکھنے کیلئے یہ ضروری تھا لیکن کھیتوں اور زمین کی سیرابی کیلئے وعدے کی سرزمین کو قدرتی ندیاں سیراب کرتی تھیں۔ اور جو کوائف ارض موعود کے بارے میں دیئے گئے ہیں وہ فلسطین کے بارے میں درست نہیں ٹھہرتے۔ تاہم اہلِ کشمیر کا مصر اور فلسطین کے ساتھ یادوں کا رشتہ اُن کے بنی اسرائیل ہونے کے طور پر بسا اوقات اُن کو قدیم ذریعہ سیرابی کے استعمال کی جانب راغب بھی کرتا رہا ہے۔

تاہم یہ سوال اُبھرتا ہے کہ کیا یردن کے مشرقی اطراف میں یا فرات کے مشرق میں کشمیر کے علاوہ ایسا کوئی ملک ہے جو اپنے چشموں، ندی نالوں اور دریاؤں کی کثرت کیلئے مشہور ہو۔ خوراک اور پھلوں کیلئے بھی جس کی شہرت ہو۔ اور جس کی وادیوں اور سبزہ زاروں کا اپنا حیران کن حُسن ہو؟ اِس ارض موعود میں تازہ پانی کی ایک وادی کے موجود ہونے کا ذکر بھی تھا جو کشمیر میں جھیل ولر کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں

کشمیر کا زمینی بہشت کے نام سے مختلف شاعروں نے ذکر بھی کیا ہے۔ کشمیر کے پرانے تاریخ نگار اِسے جنت الدنیا اور باغِ جنت کے نام سے یاد کرتے رہے ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر سعدی نے کہا ہے:

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

حضرت سلیمان نبیؑ نے بھی اس سرزمین کا برق رفتار ہوا کے ذریعہ سمندری سفر کیا تھا(قرآن مجید ۲۱:۸۱)۔ ہام جو کُش کا بیٹا تھا اُس کی اولاد نے اِس ارض موعود کو ہجرت کی تھی۔ جہاں

''وسیع و عریض چراگاہیں تھیں اور وہ کشادہ سرزمین تھی۔ جو خاموش اور پُر امن تھی......'' (ا-تواریخ ۴:۴۰)

اس سرزمین کو کراشیم یا دستکاروں کی سرزمین بھی کہا گیا ہے۔ اور بلاشبہ کشمیر ہی وہ سرزمین ہے جسکی دستکاری ساری دُنیا میں مشہور ہے۔

یسعیاہ نبیؑ نے اِس ارض موعود کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

''بڑی بڑی ندیوں اور نہروں (کی سرزمین) ...... وہاں ڈانڈ کی کوئی کشتی نہ جائے گی اور نہ شاندار جہازوں کا گزر اُس میں ہوگا۔''

(یسعیاہ ۳۳:۲۱)

یہ دونوں شرطین ساحل کے اعتبار سے فلسطین پر پوری نہیں اُترتیں۔ اِن کا اطلاق صرف کشمیر پر ہوتا ہے۔ ڈانڈ کی کشتی اور شاندار جہازوں کا اشارہ بتاتا ہے کہ کوئی حملہ آور بحری بیڑہ اس پر حملہ آور نہیں ہوسکتا۔ اور ایسے حملے کے دفاع کی بھی اس ارض موعود کو کوئی حاجت نہ ہوگی۔ کشمیر کے وسیع و عریض دریا گہرے اور سست رو ہیں۔ لیکن جونہی وہ وادی کے باہر آتے ہیں اُن کی رہگور میں بڑے بڑے پہاڑ آتے ہیں اور وہ خم و پیچ کھاتے ہوئے بہتے ہیں۔ اُن کے پانیوں میں چٹانیں چھپی ہیں۔ اُن کے آبشار کسی بحری سفر کو ناممکن بناتے ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی کشتی (Canoe) بھی اُن میں سے گزر

نہیں سکتی۔

یسعیاہ نبیؑ نے قیدِ بابل کے دوران بنی اسرائیل کی صعوبتوں کا ذکر کیا ہے:

"تو آگے کو متروکہ نہ کہلائے گی اور تیرے ملک کا نام پھر کبھی خرابہ نہ ہو گا بلکہ تو پیاری اور تیری سرزمین سہاگن کہلائے گی۔ کیونکہ خداوند تجھ سے خوش ہے اور تیری زمین خاوند والی ہوگی۔" (یسعیاہ ۶۲:۴)

اِس اقتباس میں "پیاری" اور "خاوند والی" تراکیب قابلِ غور ہیں۔ یہ دونوں رمزیہ ترکیبیں استثنا اور یسعیاہ میں بنی اسرائیل کیلئے استعمال کی گئی ہیں۔ اصل ترکیب حفظ بعل سے بعل دیوتا کی دلبری ہے اور اس سے مراد خاوند کی خوشنودی ہے اور یہوواہ یعنی بعل اور شوہر ہے جو صیہون کی دلہن سے خوش ہوگا۔ (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا کالم ۲۰۱۷، یسعیاہ ۶۲:۴، ملاکی ۳:۱۲)۔ اِس رمزیہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اور وہاں کے پھل اُس سیرابی سے پیدا ہوتے اور نشوونما پاتے ہیں (استثنا ۲۸:۴) جو "آسمانی شوہر" کے وصل سے رونما ہوتی ہے۔ (ہیسٹنگ: ڈکشنری آف بائبل ص ص۲۰۹،۲۱۰)

طالمود اور پشنیٰ نے مصنوعی طریقہ سیرابی اور قدرتی طور پر سیراب ہونے کے درمیان امتیاز روا رکھا ہے۔ مؤخرالذکر کو بعل کا گھر، بعل کی کھیتی یا بعل کی سرزمین کہا گیا ہے۔ پس جو سرزمین چشموں، ندیوں اور زیرِ زمین پانیوں سے سیراب ہو اور جہاں مصنوعی طریق سیرابی کی ضرورت نہ ہو اُسے بعل کی سرزمین کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ یسعیاہ کی پیشگوئی کے مطابق قیدِ بابل کی صعوبتوں کے بعد بنی اسرائیل ایک ایسی سرزمین میں وارد ہوں گے جو خرابہ نہ ہوگی بلکہ قدرتی ندیوں اور چشموں سے سیراب ہوتی ہوگی اور اس سرزمین کو اُن کے عقد میں دیا جائے گا۔ یعنی وہ اس پر قابض ہوں گے اور یہیں آباد ہو جائیں گے۔

بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل فلسطین کو واپس نہیں گئے تھے۔ یوں یسعیاہ کے ذہن میں کسیطرح ارضِ مقدس نہیں تھی۔ جب اُس نے یہ پیشگوئی کی تھی اِس پیشگوئی کے سارے اشارے کشمیر کی طرف ہیں۔ گم شدہ دس قبائل واقعی وہاں گئے اور وہیں آباد

ہوگئے اور آج تک وہاں رہ رہے ہیں۔ کشمیر میں سوائے جہاں مصنوعی طریقے سے پانی کی سطح کو چھ فٹ بلند کی جاتی ہے۔ وہاں چشمے اور ندیاں ہی زمین کو سیراب کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر چشموں اور وادیوں کی سرزمین ہے۔ اور اتفاق یہ ہے کہ کشمیری زبان میں بل (بعل) چشمے کو کہتے ہیں۔

استثنا میں جس لفظ کا ترجمہ وادی کیا گیا ہے وہ اصل میں سبزہ زار ہے۔ کشمیر میں وسیع و عریض سبزہ زار اور قدرتی چشمے فراواں ہیں۔ اِسے بعل کی سرزمین اِسی مناسبت سے کہا گیا ہے۔

بعل (بل) کی نسبت سے بعض سبزہ زاروں اور چشموں کے نام غور طلب ہیں

سبزہ زار	چشمے
۱۔ اینا مرگ (مرگ سے مراد سبزہ زار ہے)	اچھا بل (بل سے مراد چشمہ ہے)
۲۔ اُستاں مرگ	اہر بل
۳۔ چندن مرگ	عائشہ بل
۴۔ چندن سرمرگ	چھتا بل
۵۔ گوکل مرگ	گگری بل
۶۔ گلمرگ	گاندر بل
۷۔ کرمرگ	گنگ بل
۸۔ خیلاں مرگ	حضرت بل
۹۔ کورمرگ	خانہ بل
۱۰۔ ماہ لیشہ مرگ	خاندا بل
۱۱۔ نندی مرگ	کوہ گنجا بل
۱۲۔ ندّن مرگ	خواجہ یار بل
۱۳۔ نندسرمرگ	مانس بل
۱۴۔ شفیع مرگ	مار بل

۱۵۔ شاجی مرگ	سام بل
۱۶۔ سونا مرگ	سار بل
۱۷۔ تنگ مرگ	تیل بل
۱۸۔ یائسو مرگ	تیراغ بل
۱۹۔ زوجہ مرگ	یار بل
۲۰۔ زونا مرگ	یوسو بل

یوسو بل: اننت ناگ (اسلام آباد)، کشمیر کے نواح میں گندھک کے کئی چشمے ہیں۔ جن کا پانی امراضِ جلد کے لئے مفید ہے۔ شاید اسی لئے اِن چشموں کو حضرت عیسیٰؑ کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔

انیسواں باب

19

حضرت موسیٰؑ کا مدفن

''تُو اس کوہِ عباریم پر چڑھ اور نُبو کی چوٹی کو جا...... اور اُسی پہاڑ پر جہاں تو جائے وفات پا کر اپنے لوگوں میں شامل ہو......سو تو اُس ملک کو اپنے آگے دیکھ لے گا۔ لیکن تو وہاں اُس ملک میں جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جانے نہ پائے گا۔'' (استثناء۳۲:۴۹-۵۲)

''جب تُو اُسے دیکھ لے گا، تو تُو بھی اپنے لوگوں میں اپنے بھائی ہارون کی طرح جا ملے گا۔'' (گنتی ۲۷:۱۳)

''پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی۔ اور اُس نے اُسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا۔ پر آج تک کسی آدمی کو اُس کی قبر معلوم نہیں۔'' (استثنا ۳۴:۵-۶)

یہ آیات بیان کرتی ہیں کہ خداوند کے حکم کی اطاعت میں حضرت موسیٰؑ کوہ نبو کی چوٹی پر چڑھے اور اُنہوں نے وعدے کی سرزمین کو دیکھا اور وہیں وفات پائی۔ اور خداوند نے اُنہیں وہیں دفن کیا۔ لیکن عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق خداوند نے نہ صرف اُسے دفن کیا بلکہ اُس کی قبر کو بھی لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھا۔ 'آج تک' کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اس عبارت کو تحریر کرنے والا ایک طویل مدت کے بعد اِن جملوں کو لکھ رہا تھا۔

یہودیوں کی حکایت نے حضرت موسیٰؑ کی وفات کو پراسرار بنا دیا ہے۔ یہودیوں کی تاریخ میں جسے حضرت موسیٰؑ کا رفع یا آسمان پر اٹھایا جانا کہا جاتا ہے مرقوم ہے کہ میکائیل اور شیطان میں حضرت موسیٰؑ کے جسد خاکی کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ یہ حکایت جوڈ کے خط میں بھی بیان ہوئی ہے۔ مشرقی یہودیوں کی حکائتیں بیان کرتی ہیں کہ جب اسرائیل بڑبڑانے لگے اور واپس مصر کو جانے کا قصد کرنے لگے تو یہوواہ نے اپنے غضب میں اُن کو تباہ کرنے اور حضرت موسیٰؑ اور اُن کے قبیلے (موسیٰ خیل) کو اُن سے زیادہ قوی اور زیادہ زور آور بنانے کی دھمکی دی (گنتی ۱۴:۱۲)۔ یہوواہ نے فیصلہ کیا کہ صرف حضرت موسیٰؑ اور اُن کی اولاد ہی وعدے کی سرزمین کو حاصل کرے گی۔ اِس طرح حضرت موسیٰؑ کا گم ہونا ضروری ٹھہرا اور وہ واقعی گم ہوئے اور ارضِ موعود کو چلے گئے۔ تاہم مطبوعہ روایت میں ہے کہ وہ ایک بادل میں گھر گئے اور نظر نہ آئے اور خداوند اُسے زندہ سلامت آسمان پر لے آیا کیونکہ وہ خداوند کا نیک بندہ تھا۔ (یہودی انسائیکلوپیڈیا، مضمون ''حضرت موسیٰؑ'' ۹:۵۳)

تاہم اِس سلسلے میں پہلا صحیح تذکرہ رسول یوحنا کراسوستم نے کیا۔ اپنے ۲۶ویں وعظ میں جو عبرانیوں کے نام تیسرے مکتوب کے باب ۳ میں ہے وہ لکھتا ہے:

''لیکن مجھے بتاؤ کہ کیا خود موسیٰ کی ہڈیاں مشرق کے ایک دور دراز ملک میں نہیں ہیں۔''

تاہم یہودی اور عیسائی عقیدوں سے قطع نظر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر کشمیر ہی وعدے کی سرزمین تھا تو یقیناً حضرت موسیٰؑ وہاں گئے تھے۔ اِس لئے اُن کے مدفن کا کشمیر میں کہیں نہ کہیں موجود ہونا ضروری ہے۔ اور اِس میں شک و شبہے کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اگر معلوم ہوجائے کہ حضرت موسیٰؑ کی واقعی کشمیر ہی میں وفات ہوئی تھی۔

کشمیر کی تحریری اور زبانی روایات بیان کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰؑ واقعی کشمیر آئے تھے اور یہیں اُن کی وفات ہوئی تھی۔ کشمیر کے چند تاریخ نگاروں کے اقتباسات قابلِ غور ہیں۔

عبدالقادر بن قاضی القضاۃ واصل علی خان اپنی تصنیف 'حشمتِ کشمیر' میں لکھتے ہیں:

''حضرت موسیٰؑ کشمیر آئے اور یہاں کے لوگ اُن پر ایمان لے آئے۔ اُس کے بعد بھی اُن کا ایمان قائم رہا۔ اور بعض منحرف ہوگئے۔ اُن کی وفات کے بعد اُنہیں یہیں دفن کیا گیا۔ کشمیر کے لوگ اُن کے مدفن کو نبیؑ اہلِ کتاب کی خانقاہ کہتے ہیں۔''

(حشمت کشمیر: رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (مخطوطہ ص ۱۹۲)

تاریخِ اعظمی کا اقتباس یہ ہے:

''اور سنگ بی بی ایک معروف خلوت نشین تھیں اور مراقبوں میں اور عبادات میں مردوں پر فوقیت رکھتی تھیں۔ اُن کے مرقد کے پاس وہ جگہ ہے جسے 'مدفنِ موسیٰؑ' کہا جاتا ہے۔ جو اللہ کے نبی تھے (اللہ کی رحمتیں اُن پر نازل ہوں)۔ جو لوگ جانتے ہیں اُن کا یقین ہے کہ اِس مقام سے عوام کو بڑا فیض ملتا ہے۔'' (خواجہ محمد اعظم: تاریخ اعظمی، ص ۸۴)

'گلدستۂ کشمیر' میں لکھا ہے:

''مسلمان اِس خطۂ زمین کو زمین پر ہو بہو بہشت کہتے ہیں۔ اور اِسے گلشنِ سلیمان بھی کہتے ہیں۔ اِس خطہ زمین میں کئی خانقاہیں ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمانؑ بھی یہاں آئے۔ اور حضرت موسیٰؑ بھی ادھر سے گزرے اور اُن کو وفات بھی یہاں ہوئی۔''

(پنڈت ہرگوپال: گلدستۂ کشمیر، ص ۱۷)

ایسی ہی آراء ''وجیز التواریخ'' اور ''تاریخِ حسن'' میں بھی لکھی ہوئی ہیں:

''یورپی سیاحوں اور مصنفین میں فرانسس برنیئر پہلا شخص تھا جس نے اِس حقیقت کا ذکر کیا۔ اُس نے اپنی چوتھی دلیل میں کہ کشمیری اسرائیلی ہیں لکھا ہے:

''دلیل نمبر۴ یہ ہے کہ لوگ ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اس شہر کشمیر میں وفات پائی۔ وہ مقام شہر سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔''

(برنیئر: ہندوستان کے سفرنامے، ص ۱۷۴)

جارج مُور اپنی کتاب ''گمشدہ قبائل'' میں لکھتا ہے:

''حضرت موسیٰ خود اُن کے ساتھ آئے اور خدائے واحد کی تعلیم دیتے رہے۔'' (جارج مُور: گمشدہ قبائل ص ۱۳۷)

لیفٹیننٹ کرنل ایچ ڈی ٹورنز لکھتا ہے:

''یہ عقیدہ عام ہے کہ حضرت موسیٰ نے کشمیر کے صدر مقام میں وفات پائی اور قریب ہی دفن ہوئے۔'' (لداخ، تاتار اور کشمیر کا سفرنامہ ص ۲۶۸)

مسز ہاروے، بدیع الدین کے حوالے سے بیان کرتی ہے:

''ایک معروف اہلِ الرائے کے مطابق کشمیر بت پرستی میں غرق ہو چکا تھا حالانکہ اہلِ کشمیر کو حضرت موسیٰ نے خدائے واحد کی تعلیم دی تھی۔ حضرت موسیٰ نے یہیں وفات پائی اور اُن کے مدفن کو لوگ پہچانتے بھی ہیں۔''

(ایک عورت کا سفرنامۂ تاتار، تبت، چین وکشمیر جلد۲ ص ۱۵۴)

میں خود مدفن حضرت موسیٰ کی زیارت کو گیا۔ ہم بہت پور (باندی پور) سے جو آہم شریف سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے ٹوٹوں پر گئے۔ اِس مدفن کا متولی غفار رشی ہے۔ اُنہوں نے ہماری رہنمائی کی۔ یہ مقبرہ ایک مستطیل احاطے میں ہے اور اس میں تین دوسری قبریں بھی ہیں۔ جن میں ایک سنگ بی بی کی قبر ہے اور دوسری دو اُس کے پیروکاروں کی ہیں۔ یہ تینوں قبریں مسلمانوں کی قبروں کے مشابہہ ہیں۔ اور اُن کی سمت شمالاً جنوباً ہے۔ چوتھی قبر حضرت موسیٰ کی ہے جو یہودیوں کی قبروں کے مانند شرقاً غرباً بنائی گئی ہے۔

مدفن حضرت موسیٰ کے دونوں طرف ایک ایک درخت ہے جن کو چار سو برس قبل

کشمیر کے حضرت مخدوم شیخ حمزہ نے لگایا تھا۔ جنہوں نے وہاں چالیس دن چلہ کشی کی تھی۔ لکھا ہے کہ اُنہیں مدفن موسیٰؑ کی ہوا سے نبوت کی خوشبو آتی تھی۔

حضرت موسیٰؑ کا مزار نبوبل (کوہِ نبو) پر ہے۔ اِس جگہ سے بہت پور (باندی پور) سین بیطور (طُورِ ثانی) کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ حسبہ، پِسگہ، اور مقامِ موسیٰ اس جگہ سے زیادہ دور نہیں ہیں۔

کیا یہ سب محض اتفاق ہے؟

ایسے شواہد کی کمی نہیں جو اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کشمیر آئے اور یہیں اُن کی وفات ہوئی۔ اہلِ کشمیر کے ذاتی ناموں میں موسیٰ بڑا مقبول نام ہے۔ کئی مقامات کے نام حضرت موسیٰؑ کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ اوانتی پور میں گُندِ خلیل (گندِ موسیٰ) ہے۔ سر اوریل سٹائین شادی پور اور رام پور کے قریب کہنہ ءموسیٰ کا ذکر کرتا ہے (راج ترنگنی، جلد اوّل ص ۷۰)۔ میں نے چار مختلف جگہیں دیکھی ہیں جو مقام موسیٰ سے منسوب ہیں۔ اور ایسے مزید مقام بھی ممکن ہیں۔ ایک ایسا مقام اَوٹھ وٹو تحصیل ہندواڑہ کے نزدیک ہے۔ اِس جگہ کو آیتِ مولا یعنی خدا کا نشان بھی کہا جاتا ہے۔ اِس راستے سے حضرت موسیٰؑ وادی میں داخل ہوئے تھے۔ اور اِس جگہ اُنہوں نے چالیس روز عبادت کی تھی۔ دوسرا مقامِ موسیٰ شادی پور کے پاس وہاں ہے جہاں سندھ اور جہلم دریا ملتے ہیں۔ اِس مقام کو کہنہ ءموسیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اور سٹائین اِسے یہی نام دیتا ہے۔ تیسرا مقام پِسگہ پر ہے اور چوتھا باندی پور کے پاس ہے۔

بج بہارا کے مقام پر سنگ موسیٰ رکھا ہے جس کو مقامی لوگ 'کا کا بل' کہہ کر پکارتے ہیں۔ لداخ کے لوگ حضرت موسیٰؑ کو کا کا کہتے ہیں۔ پٹھان معزز شخص کو 'کا کا' کہتے ہیں۔

سنگِ موسیٰ کا ذکر راج ترنگنی میں بھی آیا ہے۔ اِس کا وزن قریباً ایک سو دس پونڈ ہے۔ سنگِ موسیٰ کے ساتھ ایک روایت بھی وابستہ ہے جسے میں نے خود پرکھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ اگر گیارہ افراد اس پتھر کے گرد بیٹھ جائیں اور ایک ایک اُنگلی اسکے نیچے رکھیں اور

کا، کا، کا، کا پکاریں تو پتھر زمین سے ازخود اُوپر اُٹھنے لگے گا۔

میرے ساتھ چار اور دوست تھے (ڈاکٹر وزیر احمد قریشی، ہیلتھ آفیسر سری نگر۔ ڈاکٹر امرناتھ مہتہ، مہتہ اینڈ کمپنی، سری نگر۔ عبدالعزیز شورہ، مدیر ہفت روزہ 'روشنی' سری نگر اور محمد طفیل صاحب ہائی کورٹ، لاہور) ہم نے چھ مقامی افراد منتخب کئے اور تجربہ کیا۔ پتھر زمین کی سطح سے چار فٹ تک بلند ہوتا گیا اور ہمیں اُس کا کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا۔ ہم نے دس افراد کے ساتھ تجربہ دہرایا لیکن پتھر اپنی جگہ سے مطلق نہ ہلا۔ اِس پر ہم نے گیارہ افراد کے ساتھ دوبارہ تجربہ کیا۔ پتھر بلند ہوتا گیا جب تک ہم 'کا' 'کا' 'کا' 'کا' پکارتے رہے۔ اِس مرتبہ ہم اُسے اپنے شانوں تک اُوپر لے گئے لیکن ایک ساتھی کے ہنسنے پر پتھر نیچے آگرا۔

ہم نے گیارہ افراد کے بارے میں پوچھا تو ہمیں بتایا گیا کہ اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے ایک قبیلے کو (جو لیوی کا قبیلہ ہے) میراث سے خارج کردیا گیا تھا۔ عجیب حیرت کا مقام ہے کہ ناخواندہ کشمیری بھی اُس قبیلے کا نام جانتے ہیں جسے خارج کیا گیا تھا۔ اور اُسے کشمیر میں لاوی کہا جاتا ہے۔ گیارہ افراد جو سنگِ موسیٰ کو زمین سے اُوپر اُٹھاتے ہیں وہ علاماتی طور پر بنی اسرائیل کے گیارہ قبائل ہیں جو میراث میں شامل رہے تھے۔

یہ واقعہ کہانیوں سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔ جسے شک ہو وہ جاکر خود اِس کی جانچ پڑتال کرسکتا ہے۔

اگر قرآن کریم کی جانب رجوع کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ حضرت موسیٰؑ واقعی کشمیر آئے تھے۔ اِس ضمن میں یہ بھی آیا ہے کہ اسرائیلیوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ وہ وعدے کی سرزمین میں آباد ہوں گے جب وہ صعوبتوں سے رہائی پائیں گے (قرآن مجید ۷:۱۳۷)۔ اِس لئے قیدِ بابل کے بعد وہ اِس ارضِ موعود میں داخل ہوئے۔

حضرت موسیٰؑ اور خواجہ خضر کی ملاقات کا واقعہ بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ واقعی کشمیر آئے تھے۔ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے خادم کے ساتھ دو دریاؤں کے ملنے کے

مقام پر پہنچے۔ مجمع البحرین سے مراد صرف دو دریاؤں کے ملنے کی صورت نہیں ہے۔ بلکہ اس مقام پر دو دریا ایسے ملتے ہیں کہ اُن کی پہچان مشکل ہوجاتی ہے۔ جیسے کہ وہ سمندر میں جاملے ہیں۔ شادی پور میں دریائے جہلم اور دریائے سندھ آپس میں ملتے ہیں۔ (یہ دریائے سندھ، انڈس دریا نہیں ہے۔) اور چند میل پر جھیل ولر میں جاگرتے ہیں۔ اِس جگہ اور دریا کے وسط میں ایک چٹان ہے جس پر ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کو مقام موسیٰ کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات اِسے کہنۂ موسیٰ (موسیٰ کے کونے کا پتھر) بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھی کے ساتھ دریاؤں کے سنگم پر یہاں آئے اور اُنہوں نے اس چٹان پر عافیت پائی (۱۸:۶۳) اور یہاں سے وہ واپس ہوئے۔ (ایضاً ۱۸:۶۴)

واپسی کے اِس سفر میں حضرت موسیٰؑ کی ایک شخص سے ملاقات ہوتی ہے جسکا نام کتاب میں دیا نہیں گیا۔ تاہم خدا نے اُسے علم دیا ہے اور اُس پر اپنی رحمت کی ہے۔ (۱۸:۶۵)۔ مفسرین کی رائے ہے کہ یہ شخص حضرت خواجہ خضر تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اُن کے ساتھ جانے کی خواہش کی۔

''پس وہ دونوں چلے یہاں تک کہ کشتی میں سوار ہوئے تو اُس نے کشتی کو پھاڑ دیا۔ (موسیٰؑ نے) کہا۔ 'کیا تو نے اسے پھاڑ دیا تاکہ اس کے سواروں کو غرق کر دے۔ یقیناً تو نے ایک خطرناک بات کی ہے۔''

(۱۸:۷۱)

قرآن کریم اِس کے بعد حضرت خواجہ خضر کے غیر معمولی اقدام کی وضاحت کرتا ہے۔ حضرت خواجہ خضر کا کہنا ہے:

''جو کشتی تھی وہ تو مسکین لوگوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے۔ تو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور ان سے پرے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا۔'' (۱۸:۷۹)

ولسن کے اندازے کے مطابق کشمیر کا راجہ نل سین حضرت موسیٰؑ کا ہم عصر تھا، (ایچ۔ ایچ ہس کاونٹ ولسن: کشمیر کی قدیم تاریخ ص ۸۱)۔ وہ بدطینت اور ظالم تھا۔ اُس کے زمانے

میں کشمیر پر حملہ ہوا اور بغاوت ہو گئی۔ نل سین نے تمام کشتیوں کو زبردستی اپنے قبضے میں لے لیا۔ تا کہ اُس کے دشمنوں کو آنے جانے میں دشواری ہو۔ یہ واقعہ تاریخی ہے اور حضرت خواجہ خضر کو بادشاہ کی اس بدنیتی کا علم ہو گیا تھا۔

حضرت خواجہ خضر بھی حضرت موسیٰؑ کی طرح کشمیر کا مقبول نام ہے۔ اور خواجہ (آقا) معزز کشمیریوں کے نام کا حصہ ہوتا ہے۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جو واقعات حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے مفروضہ واقعہ کے وقت رونما ہوئے اُسی طرح حضرت موسیٰؑ کی وفات پر بھی دکھائی دینے کی روایت کی جاتی ہے۔ جوزیفس بیان کرتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے لوگوں سے رخصت لی۔ اور کوہِ نبو کو چلے گئے اور بادل کے ایک ٹکڑے نے اُن پر سایہ کیا۔ اور وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ بعد ازاں یہ روایت بنی کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات نہیں ہوئی۔ بلکہ ایلیاہ نبیؑ کی طرح آسمان پر اُٹھائے گئے تھے (جوزیفس: قدیم تاریخ جلد ۴:۸،۴۸)۔ تاہم یہاں بھی حضور اکرمؐ نے اصل صداقت کو (وفات حضرت عیسیٰؑ کی طرح) آشکار کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''جب حضرت موسیٰؑ کی وفات کا وقت آیا اُنہوں نے خدا سے دُعا کی کہ اُسے ارض موعود کو دیکھنے کی اجازت ہو۔'' خدا نے یہ دُعا قبول کر لی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا مزید کہنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: 'حضرت موسیٰؑ کی وفات ارضِ موعود میں ہوئی۔ اگر میں وہاں جاؤں تو تمہیں موسیٰ کا مدفن دکھا سکتا ہوں جو ایک سنگلاخ پہاڑی پر ہے۔'' (بخاری: کتاب الانبیاء ۶۰:۳۰)

بیسواں باب

20

اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل

حضرت یعقوبؑ کا نام اسرائیل اُس وقت ہوا جب وہ ایک عجیب دشمن سے کشتی لڑے اور غالب ہوئے۔ یہ واقعہ یبوق کی ندی کے پاس ہوا (پیدائش ۳۲: ۲۴-۲۸)۔ یہاں سے حضرت یعقوبؑ ہاران گئے اور لیاہ، بلہاہ، زلفہ اور راخیل سے شادی کی۔ اُن کے بارہ بیٹے ہوئے اور اُن سے بارہ قبیلے ہوئے۔ تاہم جوشوا کو حکم ہوا کہ لیوی کی اولاد کو اِن قبیلوں میں شمار نہ کیا جائے اور اُن کو تمام میراث سے بھی محروم کردیا (یشوع ۳:۱۴)۔ کیونکہ انہیں کہانت کی خدمت بجا لانی تھی (گنتی ۱۸:۷)۔ حضرت یوسفؑ دو قبیلوں کے سربراہ تھے کہ یہ قبیلے اُن کے دو بیٹوں افرائیم اور منسی کی اولاد تھے۔ یوں اسرائیل کے بارہ قبیلے شمار ہوئے جن کے نام یوں ہیں:

روبن، شمعون، یہوداہ، اشکار، زبلون، دان، افائم (یوسف افرائی کا بیٹا)، مناسع (یوسف مناسعی کا بیٹا)، بنیامین، نفتالی، جد اور آشر۔

اسرائیل کی اصطلاح حضرت یعقوبؑ کی اولاد کیلئے تھی اور ایک فرد کی سی نسبت رکھتی تھی۔ حضرت یعقوبؑ کی زندگی میں بھی اُن کی اولاد کو اسرائیل ہی کہا گیا (پیدائش ۳۳:۱۸-۲۰ و ۳۴:۷)۔ اور خواہ وہ بیابان میں رہے یا گھومتے پھرتے رہے اُنہیں اسرائیل ہی کہا گیا۔ (پیدائش ۴۶:۸ و استثنا ۴:۱ و خروج ۱:۱)

جوشوا نے ارضِ مقدس کو جو حضرت ابراہیمؑ کو بطور میراث ملی تھی، اسرائیل کے

بیٹوں میں تقسیم کیا اور فلسطین کا جنوبی حصہ یہوداہ اور بنیامین کے قبیلوں کو دیا گیا۔ باقی کے دس قبیلے شمالی فلسطین میں آباد ہوئے۔ اِن دس قبیلوں کا فلسطین میں صدر مقام اسماریہ تھا۔ جسے اسرائیل کے ایک بادشاہ اُمری نے بسایا تھا۔ اور یہ شہر اسرائیل کا صدر مقام رہا جب تک کہ وہ قید ہو کر بابل نہیں لے جائے گئے تھے۔ یہ بارہ قبیلے سیاحت گردی کے بعد باہم اکٹھے ہوگئے تھے۔ اور اُنہوں نے مل کر اپنا سربراہ بھی منتخب کرلیا تھا۔ یہ سربراہ یا بادشاہ حکمران اور مطلق انسان نہ تھا بلکہ اُس کے لئے وحی الٰہی کی اطاعت ضروری تھی جو نبیوں پر منکشف ہوتی رہی تھی اور اُس کی جماعت کے ۷۲ برگزیدہ افراد کے فیصلوں کی تعمیل ضروری تھی۔ اِس جماعت میں ہر قبیلے کے چھ چھ نمائندے لئے جاتے تھے۔ اِس جماعت کو کونسل کا نام دیا گیا تھا۔ جو بعد ازاں سنہیڈرین کہلائی۔

حضرت ساؤل یا طالوت بادشاہ پورے اسرائیل کے پہلے حکمران تھے۔ اُن کے مرنے پر خانہ جنگی شروع ہوگئی اور اُن کا بیٹا دو برس کی مختصر حکومت کے بعد قتل کر دیا گیا۔ حضرت داؤدؑ یہوداہ کے حکمران ہوئے اور جنہیں حبرون میں سات برس حکومت کرنے کے بعد سارے اسرائیل کا حکمرانِ اعلیٰ تسلیم کیا گیا (۲-سموئیل ۵:۳)۔ اُنہوں نے یروشلم کو فتح کیا اور اُسے اپنا صدر مقام بنا لیا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے حضرت سلیمانؑ بادشاہ ہوئے۔ جو مشرق و مغرب میں اپنی دانائی کیلئے مشہور تھے (۱-سلاطین ۴:۲۹،۳۰)۔ اُنہوں نے یہوداہ کی پرستش کیلئے ایک بے حد خوبصورت معبد تعمیر کیا (۱-سلاطین ۶:۱۴و۳۸)۔ اپنے لئے ایک عظیم الشان محل بنوایا اور اپنے حرم کیلئے الگ الگ محلات تعمیر کروائے۔ اُن کی حکومت کے دوران تجارت کو بے حد فروغ ہوا اور اُنہوں نے ہندوستان کا برّی، بحری اور ہوائی سفر بھی کیا۔ (بائبل میں کسی ہوائی سفر کا ذکر نہیں ہے تاہم ایسا سفر روایات میں بیان ہوا ہے)۔ اور سرحدیں اوفر تک پہنچ گئیں جو دریائے سندھ کے دہانے کے نزدیک ہے (ڈمیلو: بائبل پر تبصرہ ص۲۱۸)۔ اُن کے زمانے میں سونا، چاندی، ہاتھی دانت، صندل کی لکڑی، مور اور تیتر کی اُس کے دربار میں فراوانی تھی۔ حضرت سلیمانؑ نے ایک بلند پہاڑی بھی بنوائی جو معبد کی مشرقی سمت میں

تھی اور جس کا رُخ وادیء قِدرون کی جانب تھا۔ اس مصنوعی پہاڑی پر اُنہوں نے اپنے لئے ایک چھوٹی عبادت گاہ تعمیر کروائی جہاں بعدازاں اُن کا بیٹا ابسلوم دفن ہوا۔ یہ مصنوعی پہاڑی سلیمان کے نام سے مشہور ہوئی اور معبد کو رفتہ رفتہ ہیکل سلیمانی کہا گیا۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد اُن کا بیٹا رجعام (رہو بام) تخت نشین ہوا۔ لیکن ابھی اُس نے حکومت سنبھالی ہی تھی کہ بغاوت ہوگئی۔ لوگ ٹیکسوں کے بوجھ سے سخت نالاں تھے۔ اِس بغاوت کا سرغنہ جیروبعام تھا جو دس قبیلوں کا حکمران ہوا اور اس نئی سلطنت کو اسرائیل کہا گیا۔ تاہم آلِ داؤد بدستور یہوداہ میں حکومت کرتے رہے۔ اِس سے یہ ہوا کہ اسرائیل کی اصطلاح کا اطلاق صرف دس قبائل پر ہوتا رہا۔ جبکہ یہوداہ سے مراد صرف یہوداہ اور بنیامین کے دو قبیلے تھے۔ اِس ضمن میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ 'یہوداہ' سے ابتدا میں مراد وہ فرد تھا جو یہوداہ کی نسل سے تھا جو حضرت یعقوبؑ کا بیٹا تھا یا یہوداہ کا رہنے والا تھا۔ بعد ازاں یہ اصطلاح وسیع تر ہوئی۔ اور اُن لوگوں کے بارے میں بھی مستعمل ہوئی جو قیدِ بابل سے رہائی کے بعد لوٹے تھے۔ لیکن بعدازاں عبرانی نسل کے ہر فرد کیلئے دنیا بھر میں استعمال ہونے لگا۔ یہوداہ کی سلطنت کیلئے بھی یہی لفظ معروف ہوا۔

اِس طرح جو خلیج اسرائیلوں اور یہودیوں کے مابین جیروبعام (یربعام) نے پیدا کی تھی تاکہ اُس کی رعایا یروشلم نہ جاسکے مبادا کہ اُن کی دیرینہ وفاداریاں لوٹ آئیں۔ اِس اندیشے کے پیش نظر اُس نے دو قربان گاہیں، ایک دان کے مقام پر اور دوسری بتیل میں بنوائیں تاکہ وہاں سونے کے بچھڑے کی پوجا کی جا سکے۔ اِس سے دونوں سلطنتوں میں عداوت پیدا ہوگئی۔ اسرائیل اور یہوداہ کے درمیان جنگ سست روی سے اُس وقت تک جاری رہی جب تک وہ الگ الگ سلطنتیں رہیں (۱-سلاطین ۱۴:۳۰، ۱۲:۲-۱۵)۔ اور دونوں طرف بے یقینی اور عدم اعتماد کی فضا طاری رہی۔ اسرائیل کا حکمران شاہ یہو (Jehu) (۸۸۴ ق م) یہوداہ کے شاہ آسالیہ سے برسرپیکار رہا۔ اِس دوران شاہ پیکاہ اور سامریہ کے شاہ ریزین کے مابین ایک معاہدہ ہوا اور اُس نے یہوداہ پر حملہ کردیا اور

بہت سے جنگی قیدی لے گیا مگر اُسے اُن کو حضرت عودو کی سرزنش پر رہا کرنا پڑا۔ (۲-تواریخ ۲، ۲۸:۸-۱۵)

اسرائیل کے اس اقدام نے یسعیاہ نبی کی اس پیشگوئی کو پورا کیا کہ اسرائیلی تباہ ہو جائیں گے اور سامریہ کی سلطنت بھی اسوریوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہے گی (یسعیاہ ۷:۴-۱۵، ۱۷)۔ یہوداہ کے شاہ ایہاز نے اپنے تخت اور زندگی کے بارے میں خوف زدہ ہوکر اسوریوں کو مدد کے لئے بلایا۔ اور تنگلت پلاسر نے سامریہ کو ۷۴۰ ق م میں فتح کیا اور وہاں کے کچھ رہنے والوں کو اُسوریہ لے گیا۔ پیکاہ کو ہلاک کردیا گیا۔ اور ریزن کو بھی قتل کردیا گیا۔ اِس واقعے کے بعد دس قبائل کی اسیری شروع ہوئی۔

سامریہ میں جو دس قبائل کا صدر مقام تھا، بعل کی پرستش کو رائج کیا گیا (۱-سلاطین ۱۶:۳۰-۳۲)۔ یوں اسرائیلوں کی ناانصافیوں کو کئی برس تک رواج دیا گیا۔ ہوشیاہ کے عہد حکومت میں اِن ناانصافیوں کی حد ہوگئی۔ پیکاہ کو قتل کردیا گیا اور مصر کے بادشاہ کے ایماء پر اسوریوں کے خلاف بغاوت برپا کی گئی۔ اس پر شاہ سلمنسر چہارم نے ۷۲۴ ق م میں حملہ کر دیا اور سامریہ کا محاصرہ کرلیا جو تین برس تک جاری رہا۔ محاصرے کی طوالت نے اسوریوں کی فوج کے افسروں کو بغاوت پر امادہ کیا۔ اس فوجی بغاوت کے سرغنہ سارگون نے شاہ سلمنسر کو موت کے گھاٹ اُتار کر اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اُس نے محاصرے کو کامیابی کے ساتھ نبھایا اور دس قبائل میں سے جو بچ رہے تھے اُن کو قیدی بنا کر لے گیا جو واپس نہ آئے (جوزیفس آثار قدیمہ ۹:۱۴:۱۵)۔ قیدیوں کو اسوریا، میسوپوٹیمیا اور مادیوں کے شہروں میں بسایا۔ (۲ سلاطین ۱۷:۶)

سامریہ کے ویران ملک میں آباد کار بسائے گئے جو اسوریا کے پانچ اضلاع سے لائے گئے اور بعد ازاں انہی آباد کاروں سے سامریہ کی قوم بنی۔ اِس لئے اِس سلطنت کے شمال اور جنوب کے یہودیوں نے سامریہ کو ایک ممنوعہ علاقہ قرار دے دیا اور وہاں کے رہنے والوں سے نفرت کرتے رہے۔

سن ۷۱۱ ق م میں یہوداہ کے شاہ حزقیاہ نے سارغون سے نبردآزمائی کیلئے شاہ

بابل سے معاہدہ کیا۔ اس پر سارغون غضبناک ہوا اور حملہ کردیا جس میں وہ یکجا ہونے سے پہلے ہی شکست کھا گئے۔ (اس واقعہ کا ذکر نہ تو سلاطین میں ہے اور نہ ہی تواریخ میں ہے لیکن یسعیاہ ۱۰:۵-۲۴ میں اس کا ذکر موجود ہے اور اسوریا کے کتبوں میں اس کا واضح طور پر ذکر موجود ہے۔)

اسوریا کی سلطنت بتدریج کمزور ہوتی گئی اور اسوریوں کی فوج کا ایک جرنیل نابونصر (Nabonasser) نے بابل میں داخل ہوکر اپنی حکمرانی کا دعویٰ کیا۔ اور اس سلطنت کا خودمختار بادشاہ بن گیا۔ سن ٦٨٦ ق م میں اسوریوں کی سلطنت کو بابل اور مادیوں کی متحدہ فوجوں نے فتح کرلیا اور اسکو دو حصوں میں بانٹ لیا۔ نابونصر کے بعد اُس کا بیٹا نبوکدنضر تخت نشین ہوا جو مشرقی ملکوں میں بخت نصر کے نام سے مشہور ہے۔ (۲-سلاطین ۱:۲۴)

یہوداہ کے شاہ یہویقیم اپنی حکومت کے آغاز ہی میں شاہ بابل کی اطاعت سے منحرف ہوگیا۔ اِس پر نبوکدنضر نے اپنی فوج کے ساتھ جس میں اہلِ بابل اور مادیانی شامل تھے یہویقیم پر حملہ کردیا جسے بالآخر ہتھیار ڈالنے پڑے اور قتل کر دیا گیا۔ اسکے بعد یہوداہ کے دو قبائل کو بابل لے جایا گیا (۲-سلاطین ۱۴:۲۴ و ۲-تواریخ ۶:۳٦-۷)۔ گو اُن کے اسیروں کا پہلا گروہ بہت زیادہ نہ تھا۔ اسیری کے اِس مرحلے میں حضرت دانیال نبیؑ اور اُن کے تین ساتھی بھی قیدی بنائے لئے گئے تھے (دانی ایل ۱:٦)۔ یہوداہ سے قیدیوں کی دوسری نفری ۵۹۹ ق م میں یہویقیم کے عہد حکومت میں لے جائی گئی۔ اِس نفری کی تعداد بہت زیادہ تھی (۲-سلاطین ۱۲:۲۴-۱٦)۔ اُس کے بعد سارے اہلِ یہوداہ کو گرفتار کرکے لے جایا گیا۔ زدقیاہ نے جسے نبوکدنضر نے اُس کے باپ یہویقیم کی جگہ بادشاہ بنایا تھا اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ اُس نے یہ فیصلہ اپنی حکومت کے نویں برس میں کیا۔ اس پر نبوکدنضر نے ایک بار پھر یروشلم کا محاصرہ کرکے اِسے فتح کر لیا۔ یہ واقعہ ۵۸۸ ق م کا ہے۔ ہیکل اور شرفا کے محلات کو آگ لگا دی گئی۔ فصیل شہر کو گرادیا گیا اور ہیکل کے خزانے کو لوٹ لیا گیا۔ اور شہر کے سارے باشندوں کو قیدی بنا

کر بابل لے جایا گیا۔ (۲-سلاطین ۲۵:۹-۱۲)

نبوکدنضر کا اِن قیدیوں کے ساتھ سلوک بے حد ظالمانہ تھا۔ خواہ اِن قیدیوں کا تعلق یہوداہ سے یا اسرائیل سے تھا۔ اور جو اُسوریوں کی شکست کے بعد قیدی ہوئے تھے۔ وہ قیدی اس سے نفرت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ہر ظالم شخص یا حاکم کو اُسی کے نام (نبوکدنضر) سے بلاتے تھے۔

یہاں سے بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک دوسرا باب شروع ہوتا ہے۔ خورس نے جس کے بارے میں یسعیاہ نبی نے پیشگوئی کی تھی (۴۴:۲۸ و ۴۵:۱-۱۴)، ۵۳۹ ق م میں بابل کو فتح کیا اور بابل کی تمام سلطنت کو اپنے زیر کیا۔ اور اپنے ایک فرمان میں اہلِ بابل کے بارے میں کہا کہ میں نے اُن کے قیدی رہا کر دیئے ہیں۔ یہ فرمان ۵۳۶ ق م میں نافذ ہوا۔ قیدیوں سے مراد وہ اسیر تھے جن کو یروشلم سے گرفتار کیا گیا تھا۔ کیونکہ عزرا بتاتا ہے:

''خداوند نے شاہ فارس، خورس کا دل اُبھارا۔'' (عزرا ۱:۱)

اور اُس بادشاہ نے یہودیوں کو رہا کردیا کہ وہ یروشلم خداوند کا گھر تعمیر کریں جو یہوداہ کے ملک میں ہے (عزرا ۱:۲ و ۵:۱۳)۔ اِس اعلان کے ساتھ ہی خورس نے خداوند کے گھر سے بابل والوں کے لوٹے ہوئے مال و اسباب کو بھی دے دیا (عزرا ۵:۱۴)۔ عزرا اُن گھرانوں کی تفصیل کا ذکر بھی کرتا ہے جو اس وقت زر بابل کے ساتھ یروشلم واپس آئے (عزرا ۲:۲-۵۷ و ۸:۲-۱۴)۔ اُن گھرانوں کے ناموں سے واضح ہوتا ہے کہ اُن کا تعلق یہوداہ اور بنیامین کے قبیلوں سے تھا۔

تاہم خورس کے اس فرمان کے باوجود سارے یہودیوں کو واپس جانے کی اجازت نہ دی گئی تھی (عزرا ۴:۷-۲۴)۔ مبادا کہ اُن کے چلے جانے سے اُس کے مقبوضات ویران اور بے آباد ہوجائیں (ایڈرشیم: مسیح کی زندگی اور زمانہ ص ۱۳)۔ یہ امر واضح ہوجاتا ہے جب یہودیوں کی ایک دوسری واپسی لازمی ہوئی جس کی سربراہی خود عزرا نے کی تھی۔ تاہم واپسی کا یہ اقدام بھی چند گھرانوں کے بارے میں تھا۔

یہودیوں کی رہائی کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ فارس کی سلطنت کے زیرِ نگیں نہ رہے تھے اور خود مختار ہوگئے تھے۔ کیونکہ یہودیہ بدستور فارس کا حصہ رہا اور یہودیہ کا حاکم جو یہودی ہوا کرتا تھا۔ شاہ فارس کا نامزد ہوا کرتا تھا۔

دارا گشتاشپ جو ہندوستانی اور ژند ادبیات کا معروف نام ہے اور جسے بادشاہوں کا بادشاہ کہا گیا ہے۔ اِس ضمن میں دوسرا اہم نام ہے۔ اِسکے زمانے میں فارس کی سلطنت یونان سے مغربی ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور شمال میں باقتریا (افغانستان) تک تھی۔ بادشاہ خود لکھتا ہے:

> ''جب میں بابل میں تھا تو اِن صوبوں نے بغاوت کی۔ جن میں فارس، سوسیانیہ، مادیا، اسوریا، آرمینیا، پارتھیا، مارجیانہ، ستاگیدیا، اور ساکیانہ شامل تھے۔'' (پروفیسر سی اوئی ہیروڈوٹس، ص۳۸۹)

دارا گشتاشپ نے ہندوستان پر بھی ایک بڑی فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ اس حملے کی تفصیل کو ہیروڈوٹس کی تحریروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں داغستان میں بھی اس امر کے کتبے پائے جاتے ہیں۔

فارس کی سلطنت کو باقتریوں، ستھین قبائل اور پارتھیا کی یلغار نے پارہ پارہ کر دیا۔ اہلِ پارتھیا کی سلطنت ہندوستان میں دریائے جہلم سے قریباً مغرب میں پندرہ سو میل تک کم و بیش عریض صورت میں ایک سو سے چار سو میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ دمیطریس جو یوتھاڈیموس کا بیٹا تھا نے افغانستان کا بہت بڑا علاقہ فتح کرلیا تھا۔ اور شمالی ہندوستان بھی اُس کے مقبوضات میں شامل تھا۔ وہ شاہ اہلِ ہند کے لقب سے مشہور تھا۔

اِس قدیم تاریخ کا ذکر اِس لئے کیا گیا ہے کہ بتایا جائے کہ اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل کیسے مختلف ملکوں کی رعایا بنے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ کیسے اُن کے قیدی بنے۔ اُن کی نقل و حرکت کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس سوال کا خاطر خواہ جواب بھی ممکن ہو کہ کیا یہ قبائل اپنے 'وطن' کو کبھی لوٹے بھی تھے کہ نہیں؟

اِن دس قبائل کی وطن واپسی کا ذکر پرانے عہدنامے میں مرقوم نہیں ہے۔ اِس کے برعکس بتایا گیا ہے:

''سو اسرائیل اپنے ملک سے اسور کو پہنچایا گیا جہاں وہ آج تک ہے۔''

(۲ سلاطین ۱۷:۲۳)

زکریا نبیؑ نے شاہ دارا کی حکومت کے چوتھے برس میں اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ خداوند نے اُن کو سب قوموں میں جن سے وہ ناواقف ہیں پراگندہ کیا اور کسی نے اپنے ملک میں آمدورفت نہ کی (زکریاہ ۷:۱۴)۔ اِس کے بعد پرانے عہد نامے اور مغربی تاریخ دانوں نے گمشدہ قبائل کا کوئی ذکر نہیں کیا اور یوں اُن کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سر ٹامس ہولڈرچ اپنی تصنیف 'دی گیٹس آف انڈیا' میں لکھتا ہے:

''اسور کی سلطنت کی مکمل فتح کے بعد ہمیں دس قبائل کا کوئی سراغ نہیں ملتا، جو ایک صدی کے دوران میسوپوٹیمیا اور آرمینیا کے لوگوں میں خلط ملط ہوگئے۔ تاریخ اُن کے بارے میں خاموش ہے۔'' (ص۴۹)

مغربی مصنّفین کی قیاس آرائیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ دس قبائل کے بارے میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اور وہ اس ضمن میں کسی معقول نتیجے پر نہیں پہنچے۔ تاہم نئے عہد نامے میں بارہ قبائل کی جانب اشارہ بتاتا ہے کہ دس قبائل میں سے ضرور چند ایک یروشلم کو زرو بابل کے ساتھ واپس لوٹے تھے۔ لیکن ایسا اشارہ درست نہیں نظر آتا۔ کیونکہ اُن کی واپسی ناممکنات میں سے تھی۔ حزقیاہ نے تمام اسرائیل کو اور یہوداہ کو خطوط بھیجے تھے اور افرائیم اور منسی کو بھی خط لکھ بھیجے کہ وہ خداوند کے گھر میں یروشلم کو خداوند اسرائیل کے خدا کیلئے عید فسح کرنے کو آئیں۔ (۲ تواریخ ۳۰:۱)۔ یہ خطوط یہوداہ اور اسرائیل کو بھیجے گئے تھے اور کوئی بھی خط اسوریا بھیجا نہیں گیا تھا۔ یا اُن کو جو شاہ اسور کے ہاتھ سے بچ نکلے تھے (۲-تواریخ ۳۰:۶)۔ یہ خطوط یہوداہ اور اسرائیل کے اُن باشندوں کیلئے تھے جو اِن سلطنتوں میں بچ نکلے تھے اور جن کو تگلت نے چھوڑ دیا تھا اور اُن کو اسوریہ نہیں لے گیا تھا۔ کوئی خط دس قبائل کیلئے نہ تھا۔ جو قید میں تھے۔ نئے عہد

نامے کا اشارہ اِس سلسلے میں بارہ قبائل کے اُن افراد کے نام تھا جو بچ رہے تھے۔ اور جن کو اسیران میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم پرانی کتابوں میں یہ ذکر مرقوم ہے کہ دس قبائل اپنی قید کے بعد واپس نہیں آئے تھے۔ اِس سلسلے میں ۲-سلاطین میں سے اور زکریاہ کے بیان کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ اِس ضمن میں اسدراس کا بیان بھی غور طلب ہے۔ اسدراس کی پہلی اور دوسری کتاب کو کلیسا نے الہامی تسلیم کیا تھا۔ کونسل آف ٹرینٹ (۱۵۴۶ عیسوی) تک اِس کی یہی حیثیت رہی تھی۔ مگر اس کونسل کے بعد اِسے 'غیر الہامی' گردانا گیا اور اسے الہامی کتابوں کی فہرست میں سے خارج کیا گیا۔

اسدراس نے کتاب ۲ میں لکھا ہے:

"اور جیسا کہ تم نے دیکھا کہ اُس نے ایک دوسرا پُرعزم ہجوم اکٹھا کیا۔ اُس ہجوم میں دس قبائل تھے جن کو اُن کے ملک سے قیدی بنا کر لایا گیا تھا۔ یہ زمانہ ہوسیاہ کی حکومت کا تھا۔ اور جن کو اسوریہ کے بادشاہ سلمنسر کے حکم کے تحت قیدی بنا کر لایا گیا تھا۔ اُن کو دریاؤں کے پار اُتارا گیا اور وہ ایک دوسرے ملک میں پہنچے۔ لیکن اُنہوں نے آپس میں مشاورت کی کہ وہ کافروں کی سرزمین سے نکل کر کسی دور دراز کے ملک کو چلے جائیں گے ...... اور وہاں اُن مجسموں کو بلند کریں گے جن کو وہ اپنے ملک میں نہیں کر پائے تھے۔ اور وہ دریائے فرات میں اُتر گئے جب کہ وہ پایاب تھا۔ اور خداوند نے اُن کو راستہ دکھایا اور سیلاب کو روکے رکھا یہاں تک کہ وہ دریا کی دوسری جانب اُتر گئے۔ دریا کے پار اُن کو ایک اَدھ برس میں کہیں اور جانے کیلئے کُھلا راستہ میسر آیا۔ اس جگہ کو عرصارث کہا جاتا ہے۔" (باب ۱۳:۳۶-۳۹)

ہر چند کہ یہ اقتباس غیر مصدقہ ہے تاہم اس کے مندرجات کو یہودی عام طور پر مانتے تھے۔ یہ اقتباس تاریخی شہادت فراہم کرتا ہے کہ دس قبائل واپس اپنے ملک میں نہیں آئے تھے۔ بلکہ اسیری کی سرزمین سے نکل کر وہ بہت دور مشرق میں چلے آئے تھے اور

عرصارث کے مقام پر آباد ہوئے تھے۔ ''طبقات ناصری'' میں لکھا ہے کہ شانسابی خاندان کی حکومت کے دوران یہاں ایک قوم رہتی تھی جو بنی اسرائیل کہلاتی تھی، جو عصارث کے علاقے میں آباد تھی اور تجارت پیشہ تھی (ص ۱۷۹)۔ ٹامس لیڈلی اپنی تصنیف ''مزید مقالے'' میں افغانوں کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ عصارث کا علاقہ وہی تھا جہاں اب صوبہ سرحد کا ضلع ہزارہ واقع ہے۔ جہاں کشمیر اس سے ملحق ہے۔ مگر سوات میں عصریت کی قدیم سرحد دریائے سندھ کے دوسرے کنارے تک تھی اور چیلاس سے ہوتے ہوئے کشمیر تک جاتی تھی۔ (کلکتہ ریویو جنوری ۱۸۹۸)

جوزیفس ویسپاسین کے دَور حکومت میں شاہ اگریپا کی ایک تقریر کا ذکر کرتا ہے جسمیں یہودیوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ رومیوں کے تابع ہو جائیں اور اُن کو طنز آمیز لہجہ میں کہتا ہے:

> ''کیا تم اپنی اُمیدوں کو دریائے فرات کے پار باندھتے ہو؟ اور سمجھتے ہو کہ تمہارے برادر قبائل تمہاری مدد کو آدیابنی سے آئیں گے؟ تاہم اگر وہ ایسا قصد بھی کریں فارس اُن کو ایسی کوئی اجازت نہیں دے گا۔''

(قدیم تاریخ ۱۱:۵:۲)

اِس تقریر سے جو یہودیوں کو کی گئی تھی اور خود یہودیوں کے بادشاہ نے کی تھی کہ اُس وقت تک دس قبائل ابھی قیدی تھے اور دریائے فرات کے پار فارس کے زیرحراست تھے۔

جوزیفس (پہلی صدی عیسوی کا آخری عشرہ) خود بتاتا ہے کہ اُس وقت تک دس قبائل دریائے فرات کے پار تھے۔ اور اسقدر کثرت میں تھے کہ اُن کی تعداد کا اندازہ کرنا مشکل تھا (ایضاً ۱۵:۲:۲)۔ یہ قبائل حضرت عیسیٰؑ کے زمانے تک بھی واپس نہیں آئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اُن کا ذکر کرتے ہوئے ''گمشدہ'' کہا (متی ۱۱:۱۸)۔ اور اُن کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں کہا (متی ۲۴:۱۵) اور یہ اشارہ بھی کیا کہ وہ ''خداوند کے بیٹے جن کو غیر ملکوں میں پراگندہ کیا گیا (یوحنا ۵۲:۱۱)۔ ''اُنہوں نے دعویٰ کیا کہ اُس کا

مقصد گمشدہ (قبائل) کا سراغ لگانا اور اُن کو بچانے کا تھا (لوقا ۱۹:۱۰)۔ حضرت عیسیٰؑ کے بھائی جیمس نے اپنا خط دس قبائل کے نام لکھا جو دوسرے ملکوں میں پراگندہ تھے۔ اُس نے بارہ قبائل کو مخاطب کیا تھا کیونکہ یہوداہ اور بنیامین کی اولادیں یروشلم کو واپس نہیں آئی تھیں۔

تاہم یہ درست ہے کہ ایک قسمیہ بیان پر کہ وہ واپس آجائیں گے بعض قبائل میں سے صرف چند ایک کو جانے کی اجازت مل جاتی تھی کہ وہ ایک میعاد کے اندر یروشلم کی زیارت کو جاسکتے ہیں۔ ایسا عموماً عیدین کے موقع پر ہوا کرتا تھا (زکریاہ ۷:۲،۳)۔ اور زیارت کے ایام میں وہ اُن ملکوں کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے جہاں سے وہ آتے تھے۔ پطرس نے ایک وعظ میں جو عید پنتیکست پر دیا گیا تھا انہیں زائرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے:

> ''ہم پارتھی، مادی اور عیلامی اور مسوپتامیہ اور یہودیہ اور کپدکیہ اور پنطس اور آسیہ کے رہنے والے ہیں ...... سب رہنے والو! یہ جان لو اور کان لگا کر میری باتیں سنو۔'' (اعمال ۲:۹-۱۴)

اِس بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ دس قبائل ابھی تک اپنے ملک کو واپس نہیں آئے تھے۔ سماریہ کے لوگوں کو پطرس نے اپنے وعظ میں مخاطب نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ بارہ قبائل کو خطاب کررہا تھا۔

سینٹ جیروم جو پانچویں صدی عیسوی میں ہوا ہے اُس نے کتاب ہوسیع کی تفسیر کرتے ہوئے اسرائیل کی پراگندگی کے بارے میں لکھا ہے:

> ''اِس وقت تک دس قبائل فارس کے بادشاہوں کی رعایا ہیں اور اُن کی حراست بھی ختم نہیں ہوئی ہے۔''

ایک دوسری جگہ اُس کا کہنا ہے:

> ''دس قبائل ابھی تک مادیہ کے پہاڑوں اور شہروں میں آباد ہیں۔''

ڈاکٹر ایلفرڈ ایڈرسہائیم اپنی کتاب 'یسوع کی زندگی اور زمانہ' میں دس قبائل کے بارے

میں بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ مشرقی ملکوں میں پراگندگی کے باعث یہودیوں کی صرف ایک اقلیت جس کی تعداد پچاس ہزار تھی بابل سے واپس آئی۔ سب سے پہلے زرو بابل کے ساتھ اور پھر عزرا کے زمانے میں (بالترتیب ۵۳۷ ق م، ۴۵۹ ق م)۔ اُن کا کم ہونا صرف اُن کی تعداد کے باعث نہ تھا۔ دولتمند اور بارسُوخ یہودی وہیں رہے۔ جوزیفس جس کے ساتھ فیلو متفق ہے۔ اِس بات پر اتفاق کرتا ہے کہ دریائے فرات کے پار ممالک میں اُن کی تعداد لاکھوں کو پہنچتی ہے۔ اِن دس قبائل کی افرادی تعداد یسوع کے زمانے میں بھی اور ہمارے اپنے زمانے میں بھی عبرانی قوم کا حصہ نہیں بنی۔" (عیسیٰ مسیحؑ کی زندگی اور زمانہ، ص ۸)

اِس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ قیدِ بابل کے بعد دس قبائل اپنے ملک واپس نہیں آئے تھے۔ اور اسمیں شک و شبے کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ کیا کسی نے ایسے قبیلے کے بارے میں سُنا ہے کہ وہ حراست کے دوران دوسری قوموں اور ملکوں کو اپنے طور پر مسخر کرنے نکلا ہو؟ اور کیا کبھی ایسے کسی قبیلے نے جو قید اور حراست میں ہو اپنے آپ کو بغاوت کے ذریعے آزاد کر لیا ہو؟ اور کیا کبھی اُن کے سرداروں نے اُن کو اسیری سے رہائی دلائی ہے؟ حزقی ایل نے اُن کے بارے میں بلاشبہ یہ پیشگوئی کی کہ اُن کو اسیری سے رہائی مل جائے گی۔ لیکن رہائی کے بعد وہ اپنے ملک اسرائیل کو واپس نہ جائیں گے۔ اور خداوند کی رضا کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

"میں اُن کو اس ملک سے جس میں انہوں نے بود و باش کی نکال لاؤں گا پر وہ اسرائیل کے ملک میں داخل نہ ہوں گے۔" (حزقی ایل ۲۰:۳۸)

لیکن دس قبائل کو کہاں لے جایا گیا؟ اِس کا جواب دینے کیلئے تاریخ کے اوراق کو الٹنا پڑے گا۔ پرانے عہدنامے سے پتہ چلتا ہے کہ تگلت پلاسر نے اُن کو خلخ خابور، ہارا اور

جوزان کی ندی تک لایا (ا-تواریخ ۵:۲۶)۔ سارغون نے بھی وہی کہا۔ لیارڈ اور رولنسن کی تحقیق کے مطابق خلح، خابور کے بالائی علاقے میں تھا اور حابُور کردستان میں ایک دریا تھا جو گزر کر دریائے فرات میں گرتا تھا۔ تاہم حزقی ایل نے جو خود قیدی تھا کبار دریا کا ذکر کیا ہے (حزقی ایل ۱:۱)۔ لیکن اگر کبار ایک دریا تھا تو اُسے ایک دوسرے دریا جوزان کی نسبت سے یاد کرنا درست نظر نہیں آتا۔ ربی عبا جو کوہنا کا بیٹا تھا کہتا ہے کہ خلح سے مراد ہلزن اور حابور سے ملک ادیابینی مراد ہے جسکا ذکر شاہ اگریپا نے کیا تھا۔ جارج مور ایک دوسری روایت کا ذکر کرتا ہے کہ دس قبائل ایک دریا کے پار ہوئے جو کُش کی سرزمین میں بہتا ہے۔ (دس گم شدہ قبائل، ص ص ۱۴۸-۱۵۰)

اسرائیل کے دس قبیلوں کا مشرق کی طرف سفر اُس زمانے کی بڑی بڑی سلطنتوں کے نشیب و فراز کے ساتھ منسلک ہے۔ جو اُس زمانے میں مشرقی دُنیا میں حکمران تھیں۔ اور اُن کے مابین جنگیں بھی جاری تھیں۔ اُس زمانے میں اِن جنگوں کا مقصد آبادی کیلئے افرادی قوت کا حاصل کرنا تھا تاکہ اُن سے مشقت لی جائے اور اسطرح تہذیب و تمدن اور تجارت کے نئے مراکز قائم ہوسکیں۔ قدیم زمانے سے دستور رہا ہے کہ جو قیدی جنگوں میں ہاتھ آئیں اُن کو کسی دوسرے پیشے میں آبادکاری کیلئے بروئے کار لایا جاتا تھا۔ اُس زمانے میں دنیا کی آبادی بھی کم تھی۔ اس لئے ایسا طریق کار قدرتی بھی اور کارگر بھی تھا۔ اسطرح جو افرادی قوت حاصل ہوتی اُن سے ملکوں کی ترقی کا کام لیا جاتا۔ اُن سے فصیلیں بنوائی جاتیں۔ شہر آباد کئے جاتے۔ نہریں کھدوائی جاتیں۔ اور اُن کی محنت سے بڑے بڑے محلات اور یادگار عمارتیں تعمیر کروائی جاتیں۔ ہندوستان، بابل اور قدیم اسوریہ کے عظیم آثار اُنہیں کی مشقت اور محنت کا نتیجہ ہیں۔ انسانی محنت کے بغیر یہ یادگار عمارات تعمیر نہ ہوسکتی تھیں۔ یہ صرف فاتح بادشاہوں کے ذریعے ممکن ہوا تھا۔ جو کئی قوموں کو قیدی بنا کر ایسی شاندار عمارات تعمیر کرپائے تھے۔ جن کو سیاح دیکھ کر حیرت زدہ ہوتے ہیں۔

اِس اعتبار سے مغربی ایشیا کے لوگ، اسرائیلی یہودی، فونیقی، اسوری، بابل کے

رہنے والے اور ایرانی و یونانی ایک مقام سے دور دراز کے ملکوں میں پہنچائے گئے اور اسطرح انسانی نسل کو نقل و حرکت دی گئی جس نے اُن ملکوں کی نسلی تاریخ کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔

برطانیہ کے لوگوں کی اسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور امریکہ میں آبادکاری، فرانسیسیوں کی آبادکاری کینیڈا میں، برازیل میں پرتگالیوں کی، ارجنٹیا اور چلی میں اہلِ سپین اور اطالویوں کی آباد کاری عہد حاضر میں انسانیت کے پھیلاؤ کے بڑے واقعات ہیں۔ ایسی آبادکاری ایک مستقل کیفیت ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ مرضی کے مطابق نقل مکانی کی گئی تھی۔ لیکن ماضی کی نقل مکانی مجبوری کے تحت تھی اور بڑے پیانے پر تھی اور لوگوں کو اُن مقامات تک پہنچایا گیا تھا جہاں کسی نے اُن کو آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ بعض اوقات اُن کا مسکن وہاں ہوتا جہاں پہلے سے رہنے والوں کو یا تو ختم کردیا گیا ہوتا یا وہ کہیں دوسری جگہ آباد ہوگئے ہوتے۔ اور بعض اوقات اُن کو آبادیوں میں ہی بسایا جاتا اور اسطرح وہاں ایک مختلف نسل کے لوگ بھی آباد ہوجاتے۔ بسا اوقات اور جیسا کہ تگلت پلاسر (یعنی بخت نصر) نے کیا تھا۔ سلطنت کیلئے نئے اضلاع بنائے جاتے تھے۔ سلطنت کے دور دراز علاقوں میں قیدیوں کو آباد کرنا ایک آسان بات تھی۔ اور خاص کر اُن قیدیوں کے ضمن میں جو حکومت کے کسی کام نہ آسکتے تھے۔ البتہ جو لڑنے کے قابل ہوتے اُن کو فوج میں بھرتی کیا جاتا۔ دوسروں کو فوجیوں کی خدمت کے لئے شامل کرلیا جاتا۔

اُس قدیم زمانے میں قیدیوں کی نقل و حرکت بَری راستے ہی سے ممکن ہوتی تھی اور اُن کو پا پیادہ ساری مسافت طے کرنا پڑتی تھی۔ اسطرح وہ دور مشرق میں پاپیادہ پہنچتے تھے یا جنوب کو چلے جاتے تھے۔ کیونکہ شمال اور مغرب کا جغرافیہ اُنہیں معلوم نہ تھا۔ اُن کے مطابق مشرق سورج کے چڑھنے کی دُنیا تھا جہاں سے سلیمان بادشاہ اپنے دربار میں سونا، چاندی، ہاتھی دانت، تیتر اور مور لایا تھا۔ اور جہاں سے پیشہ ور ہندوستانی فوجی بھی آتے تھے جو تگلت پلاسر خورس اور دارا کی افواج میں شامل ہوئے تھے۔

تگلت پلاسر کی فتوحات قدرتی تھیں۔ اور وہ ایشیا میں ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچا تھا۔ یہی کیفیت سارغون اور بخت نصر کی تھی جنہوں نے اسرائیلی قیدیوں کو اپنے مشرقی مقبوضات میں بسایا تھا۔ دارا نے بھی ایسا ہی التزام روا رکھا اور یونانیوں کو اُن کے وطن سے نکال کر باقتریا میں آباد کیا۔ اِسطرح وسیع و عریض ایرانی سلطنت کے مشرقی مقبوضات میں آبادیاں بن گئیں جس کا بعد میں آنے والی حکومتوں نے فائدہ اُٹھایا۔ اہلِ فارس ہندوستان پر حکومت بھی کرتے رہے۔ جیسے سکندر اعظم نے بھی موجودہ شمالی پاکستان میں لوگوں کو چترال میں آباد کیا۔ یہ لوگ یونانی اور ایرانی نسل سے مخلوط ہیں۔ اور اس زمانے میں اُن کو کافر کہا جاتا ہے اور وہ چترال اور ہندوکش کے پہاڑوں میں آباد ہیں (سر جارج سکاٹ رابرٹسن: ہندوکش کے کافر ص۲۲۷)۔ جارج مور کا کہنا ہے کہ جب سیتھین قوم نے اُس علاقے پر قبضہ کرلیا جہاں اسرائیلی قبائل آباد تھے تو اِن قبائل کو وہ علاقہ چھوڑنا پڑا۔ اور وہ مزید مشرق کو جانے پر مجبور ہوئے (جارج مور: دس گم شدہ قبائل ص۱۱۰)۔ دیوار چین بھی جبری مشقت سے بنوائی گئی تھی تاکہ یونانیوں اور ایرانیوں کی یلغار کے آگے مدافعت ممکن ہوسکے۔ اور اُن کے اسرائیلی قیدی بھی اُس جانب نہ نکل سکیں۔

لیکن ہرچند کہ دور دراز علاقوں میں اُن کی آبادکاری ہوئی اور وہ خشکی کے راستے ہی سے وہاں پہنچے تاہم سطح زمین کے جغرافیائی خدوخال ہی نے اس انسانی ہجوم کا رُخ متعین کیا۔ تگلت پلاسر کے بارے میں پہلے بھی کہا گیا ہے کہ وہ سماریا کی شکست سے بیس برس قبل اور دس قبائل کی نقل مکانی کے وقت ہندوستان کی سرحد کے آس پاس پہنچ چکا تھا۔ وہ اور کیوں آگے نہ بڑھا؟ اور کس لئے دارا پنجاب میں پہنچنے کے فوراً بعد واپس ہوگیا؟ یا سکندر نے ہندوستان میں دُور تک داخل ہونے سے گریز کیا؟ ایسے اقدام کی وضاحت آب وہوا کے حوالے سے ممکن ہے۔ وادئ سندھ کی آب وہوا مغرب سے آنے والے حملہ آوروں کو ہندوستان کے میدانی علاقوں کی آب و ہوا سے روشناس کرتی ہے۔ وادئ سندھ موسم گرما میں مغرب کے پہاڑی حملہ آوروں کیلئے کسی طرح پسندیدہ نہیں

ہوتی۔ موسم سرما کی سخت سردی اور پہاڑوں پر مسلسل برفباری بھی اُن کیلئے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ صحرائے گوبی بھی افواج کی پیش قدمی کیلئے رکاوٹ بنتا تھا۔ اِسی لئے سکندر کی افواج نے سندھ سے مزید آگے جانے سے انکار کردیا اور جب اُن کو پیش قدمی کیلئے مجبور کیا گیا تو اُنہوں نے بغاوت کر دی۔ اور وہ چین میں بھی داخل نہ ہوسکا اور مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔ سکندر سے پہلے اسوریا اور بابل اور فارس کے فاتحین بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ تاریخ سے اِس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اسوریا اور بابل کو اس علاقے کا علم تھا اور وہ افغانستان (باختریہ) اور بخارا اور سمرقند تک پہنچے بھی تھے۔ تاہم اہل فارس، یونانی، سیتھین اور اہلِ پارتھیا ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ پارتھیا والوں نے شمالی ہندوستان میں حکومت بھی کی جبکہ دارا اور سکندر واپس ہوتے ہوئے تبت سے گزرے تھے اور چین کی سرحدوں تک پہنچے تھے۔

اگر ہم ایشیا کے نقشے کو بغور دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ نینوا سے آتے ہوئے لوگوں کیلئے ہرات تک یا ہرات سے ہندوستان تک راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور وہ سیدھے دریائے سندھ تک یا وادیٔ سندھ سے ہزارہ کے راستے کشمیر تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور گرمی کے موسم میں بخوبی گلگت، لداخ اور تبت تک پہنچا جاسکتا ہے۔

دارا اور سکندر کی واپسی سے اُس گزر گاہ کا پتہ چلتا ہے جو قدیم زمانے میں میسوپوٹیمیا، افغانستان (باقتریہ)، ہندوستان اور تبت کو ملاتی تھی۔ محمود غزنوی کے حملوں کا زمانہ تاریخی طور پر ماضی قریب سے تعلق رکھتا ہے۔ تاہم تگلت پلاسر کے زمانے سے اِس رہگزر کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ یہ گزرگاہیں لاکھوں تھکے ہارے قیدیوں کے قدموں تلے روندی گئیں۔ اُن سے فوجیں گزریں، سوداگر گزرے، انسانوں کے ہجوم گزرے اور اُن کے گزرنے سے مغربی ایشیا اور مشرقی ملکوں کے درمیان رابطہ قائم ہوا۔ یہ ایک ایسا رابطہ تھا جو ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے۔

اسدراس کی دوسری کتاب اور حزقی ایل کی پیشگوئیوں اور زکریاہ کے بیانات سے بنی اسرائیل کی اپنے ملک سے نقل و حرکت کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ کہ وہ مشرق کے ملکوں

کی جانب چلے گئے تھے۔ علاوہ ازیں سیتھین اقوام کے حملوں کے دوران اُنہیں مزید مشرق کو جانا پڑا۔ سیتھین نے افغانستان اور ہندوستان پر حکومت بھی کی (جے ٹی وہیلر: تارخ ہندوستان ص۱۲۳۹)۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ اِن فاتحین اور حکمرانوں کے ہمراہ مشرق کے دور دراز ملکوں کو چلے جاتے اور وہاں پہنچ جاتے جہاں اُن کے حکمرانوں اور فاتحین نے بھی کوئی پیشقدمی نہ کی ہوتی۔ اگر یہ درست ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ اسرائیل کے دس قبائل افغانستان، بلخ، بخارا، خراسان، قوقند، سمرقند اور تبت میں ہونگے۔ اِس کے علاوہ اُن کو مغربی چین میں بھی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ وہ ہندوستان کے شمالی مغربی صوبے میں بھی مل سکتے ہیں۔ اور کشمیر میں بھی اُن کی موجودگی کو مانا جاسکتا ہے۔

اسرائیل کے باقیماندہ افراد کو میسوپوٹیمیا اور مغربی ممالک میں پایا جاسکتا ہے (پادری جے ایچ بروہی: دس قبائل، وہ کہاں ہیں، کتابچہ ۱۸۹۳ء اپریٹو جیوش کونورٹ انسٹیٹیوٹ، لندن)۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ وہ یہودی جو فلسطین، عرب، ترکی، میسوپوٹیمیا اور فارس میں رہتے ہیں وہ اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں۔ تاہم جو ایران سے اور آگے بستے ہیں اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ ڈاکٹر جوزف ولف جو یہودی النسل عیسائی ہے کہتا ہے کہ اُسے اسرائیلی فارس، کردستان، خراسان، قوقند، بخارا اور سمرقند میں ملے۔ اُس کے اندازے کے مطابق بخارا میں اُن کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔ بخارا اور خراسان کے اسرائیلیوں کے بارے میں اُس کا کہنا ہے:۔

> ''وہ یسوع کی تاریخ اور اُس کی آزمائش و آشوب سے قطعی ناآشنا تھے اور اُن کو یسوع کی وفات کے بارے میں بھی کوئی علم نہ تھا۔ اِس سے مجھے یقین ہوا کہ خراسان اور بخارا کے یہودیوں کا تعلق اُن دس قبائل سے ہے جو فلسطین کو واپس نہیں لوٹے تھے۔ جب وہ بابل کی اسیری سے رہا ہوئے۔''

(ڈاکٹر جوزف ولف: بخارا میں ایک مشن کی روداد۱۸۴۳۔۱۸۴۵)

ڈاکٹر جوزف ولف کا کہنا ہے کہ بخارا کے اسرائیلی اُس سے بات بھی نہیں کرتے تھے

جب تک اُس نے 'اسرائیل کی فریاد نہ سنائی۔" اے اسرائیل سُن، خداوند ہمارا خداوند ایک ہی خداوند ہے (استثنا ۴:۶)۔ وہ لکھتا ہے:

"ترکستان کے یہودی اصرار کرکے کہتے ہیں کہ ترکمان، تجرمہ کی اولاد سے ہیں جو جمر (گومر) کے بیٹوں میں سے ایک تھا۔" (ایضاً پیدائش ۳:۱۰)

سوات کا سابق حکمران سید عبدالجبار شاہ ایک مکتوب کا حوالہ دیتا ہے جو ترکستان کے امیر نے یزدگرد کو لکھا تھا کہ دس قبائل میں سے چند قبیلے اُس کے علاقے میں بسے ہوئے تھے (سید عبدالجبار شاہ: منعمین بنی اسرائیل یا افغانی قوم، حاشیہ ۶۹)۔

سر ٹامس ہولڈچ کو بلخ میں اسرائیل کی ایک آبادی کا پتہ چلا جسے وہ بسوسِ دارا کا نام دیتا ہے۔ (ہندوستان کے صدر دروازے، ص ۶۹)

ڈاکٹر ولف کا کہنا ہے کہ بلخ کے اسرائیلیوں میں ایک بے حد قدیم روایت ہے کہ دس قبائل میں سے بعض افراد چین میں بھی ہیں (بخارا کی ایک مہم کی روداد ۱۸۴۳-۱۸۴۵ ص ۱۱)۔ اگر ہم اِس ضمن میں جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کائی فنگ فو کے اسرائیلی ہندوستان کے راستے یہاں وارد ہوئے تھے۔ فرانسیس برنیر نے ۱۶۶۴ء میں تحریر کیا ہے کہ کیتھولک مشنریوں نے چین اور تبت میں اسرائیلیوں کو پایا ہے (ہندوستانیوں کی جنت، کشمیر کا سفر ص ۱۷۱)۔ ہُک اور گابیت اِن اسرائیلیوں کے رسم و رواج کا بخوبی ذکر کرتے ہیں۔ جن کو عبرانی زبان میں اپنی دعاؤں کا کوئی علم نہ تھا (تاتار، تبت اور چین کا سفرنامہ، ص ۱۰۵)۔ میر عزت اللہ جو ایک عرصے تک اِن علاقوں میں برطانوی ریذیڈنٹ کے طور پر فائز رہے۔ لکھتے ہیں کہ تبت میں جو یہودی آباد ہیں اُن کا کہنا ہے کہ اُن کی مذہبی کتب ایک ایسی زبان میں ہیں جس کو وہ سمجھ نہیں سکتے (وسطی ایشیا میں سفر کی روئیداد ص ۱۴)۔ ہندوستان میں اسرائیلی بمبئی اور ساحل مالابار پر آباد ہیں۔